التَّصدِّی لِلغیر

(دوسروں کی فکر، خود سے بے فکر)

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۱	معمول حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ	۷
۲	دوسروں کی فکر، خود سے بے فکر	۸
۳	سلف وصالحین کا طرز عمل	۸
۴	دوسروں کی عیب جوئی	۹
۵	اپنے کام میں لگو	۱۰
۶	غلو ہر کام میں ناپسندیدہ ہے	۱۱
۷	علاج بالضد	۱۲
۸	بڑا بننے کی فکر چھوڑو	۱۲
۹	بڑائی حاصل ہونا غیر اختیاری ہے	۱۳
۱۰	مقصود طلب ہے	۱۵
۱۱	فکر خود کن	۱۶
۱۲	دوسروں کی فکر کی مختلف صورتیں	۱۶

۱۳	غیبت کا نقصان	۱۶
۱۴	غیبت کا گناہ	۱۸
۱۵	غیبت اور زنا میں فرق	۱۸
۱۶	غیبت سے بچنے کا طریقہ	۱۹
۱۷	حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کی حالت	۱۹
۱۸	قوتِ فکریہ کی خاصیت	۲۰
۱۹	رابعہ بصریہ رحمۃ اللہ علیہا کی احتیاط	۲۰
۲۰	عظیم علمی افادہ	۲۱
۲۱	شبہ کی وضاحت	۲۲
۲۲	حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مقام ومرتبہ	۲۳
۲۴	دوسروں کی برائی کرنے سے احتراز	۲۴
۲۵	حکایت	۲۵
۲۶	موقع کے مناسب وعظ	۲۵
۲۷	بے موقع کام کی ممانعت	۲۶
۲۸	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کی خوبی	۲۷
۲۹	دوسروں کی فکر کی دوسری شکل	۲۸

۳۰	بُری صحبت کا انجام	۲۸
۳۱	ایمان کا مقتضاء	۲۹
۳۲	تصحیح عقائد اور نسبت مع اللہ کا فائدہ	۳۰
۳۳	بُروں کی دوستی سے بچو	۳۰
۳۴	دوسروں کی فکر کی تیسری صورت	۳۱
۳۵	حاصلِ کلام	۳۲

علاجِ فکر؎

مومن دیندار کو رنج و الم سے واسطہ
جس کی خدا پہ ہو نظر فکر اسے ستائے کیوں

جس کو ملا ہے درد دل وہ کہیں ہوگا مضمحل
دہر کے سرد و گرم سے اس کو کوئی ڈرائے کیوں

وصل ہو یا فراق ہو، دونوں ہیں ایک ایک ادا
عشق ہو جس کو اے جمیلؔ ہجر میں تلملائے کیوں

مفتی جمیل احمد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

؎ فکر و پریشانی کے بارے میں مفتی صاحب کا اندازِ فکر یہ ہے جو ان اشعار میں ذکر کیا گیا جب کے بعض شعراء کی سوچ کا انداز اس سے مختلف ہے۔ جیسے

قید حیات و بند غم اصل میں دونوں ایک ہیں
موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پائے کیوں

وعظ

التَّصدِّی لِلغیر

(دوسروں کی فکر، خود سے بے فکر)

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہ نے اب سے سو سال قبل ۸ محرم الحرام ۱۳۳۰ھ کو جامع مسجد تھانہ بھون میں یہ وعظ ارشاد فرمایا جس میں اس بات کو بیان کیا کہ آج کل لوگوں میں یہ مرض عام ہے کہ دوسروں کی اصلاح کی تو فکر ہے اور اپنی اصلاح سے بے فکر ہیں حالانکہ ہر شخص کو پہلے اپنی اصلاح کی فکر کرنی چاہئے۔

خلیل احمد تھانوی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خطبۂ ماثورہ

الحمد للّٰہ نحمدہٗ و نستعینہٗ ونستغفرہٗ و نؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ وحدہ لا شریک لہ ونشھد انّ سیدنا ومولانا محمدًا عبدہ ورسولہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ اٰلہ واصحابہ وازواجہ و بارک وسلم **اما بعد:**

فاعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرّجیم

بسم اللّٰہ الرّحمن الرّحیم

قال اللّٰہ تعالی:﴿یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلَیْکُمْ اَنْفُسَکُمْ لَا یَضُرُّکُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اھْتَدَیْتُمْ اِلَی اللّٰہِ مَرْجِعُکُمْ جَمِیْعًا فَیُنَبِّئُکُمْ بِمَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾(۱)

معمول حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ

چونکہ یہ معمول ہے کہ ہمیشہ ضروری امر کو انتخاب کر کے بیان کیا جاتا ہے اس لئے کہ مقصود تو یہی ہے کہ ہماری حالت کی اصلاح ہو اور یہی وجہ ہے کہ جس روز کوئی ضروری مضمون سمجھ میں نہیں آتا اس روز بیان نہیں ہوتا آج بھی ایک ضروری مضمون ذہن میں آیا ہے۔ اس آیتِ شریفہ میں جو میں نے تلاوت کی ہے ایک بہت ضروری بات حق تعالیٰ نے ارشاد فرمائی ہے کہ جس کی طرف بہت کم

---

(۱) ”اے ایمان والو! اپنی فکر کرو جب تم راہ پر چل رہے ہو تو جو شخص گمراہ ہے تو اس سے تمہارا کوئی نقصان نہیں اللہ ہی کے پاس تم سب کو جانا ہے وہ تم سب کو جتلا دیں گے جو جو کچھ تم سب کیا کرتے تھے“ سورۂ مائدہ: ۱۰۵۔

التفات (۱) ہوتا ہے مگر حق تعالیٰ کو تو خبر ہے حق تعالیٰ نے ہماری ہر مصلحت کی رعایت فرمائی ہے اور وہ ضروری بات ہماری ایک خصلت (۲) اور مرض ہے جو اس آیت میں بیان فرمائی ہے۔

دوسروں کی فکر، خود سے بے فکر

اور حاصل اس کا یہ ہے کہ اپنی فکر کم ہونا یا نہ ہونا اور دوسروں کی فکر ہونا چنانچہ واقعات اور طرزِ عمل شہادت دیتا ہے کہ یہ مرض ہم لوگوں میں موجود ہے کہ جب نظر کریں گے دوسروں ہی پر کریں گے حیرت ہے اس مریض پر کہ جو طبیب حاذق (۳) کے پاس پہنچے اور پڑوسیوں کے نبض وقارورہ وبیان امراض میں مشغول ہوجائے اور خود مدقوق ہو (۴) مگر اپنی کچھ فکر نہ ہو اور یہ فکر دوسروں کی خواہ اچھی نیّت سے ہو یا بُری نیت سے اور اپنے سے بے فکر ہوجانا ہر حالت میں بُرا ہے بعض صورتوں میں تو اصل ہی سے مذموم (۵) ہے اور بعض میں مآل کے (۶) اعتبار سے قبیح (۷) ہے غرض یہ امر اکثر لوگوں میں مشترک ہے کہ اپنی فکر کم ہے دوسروں کی زیادہ ہے جہاں چار آدمی بیٹھتے ہیں دوسروں کا ذکر کرتے ہیں۔

سلف وصالحین کا طرزِ عمل

پہلے بزرگوں کا طرز یہ تھا کہ جہاں بیٹھتے تھے اپنے عیوب کا ذکر کرتے تھے یہ مطلب نہیں کہ پوشیدہ گناہوں کا ذکر کرتے ہوں اس لئے کہ گناہوں کا اظہار تو خود معصیت (۸) ہے بلکہ عیوب نفس جو مادہ ہے گناہ کا جیسے بخل، کبر، عجب وغیرہ تاکہ دوسروں کو ہماری نسبت تقدس و ورع (۹) کا گمان نہ ہو یا یہ کہ اصلاح

---

(۱) توجہ (۲) عادت (۳) ماہر حکیم (۴) پڑوسیوں کی نبض ان کے پیشاب کی کیفیت اور مرض کا حال بیان کرے حالانکہ خود ٹی بی کے مرض میں مبتلا ہے لیکن اپنا حال بیان نہیں کرتا (۵) بُرا ہے (۶) انجام کے اعتبار (۷) بُرا ہے (۸) گناہ ہے (۹) نیک اور متقی ہونے کا گمان نہ ہو۔

ہو جائے چنانچہ جس کو خارش ہوتی ہے وہ جہاں بیٹھتا ہے یہی تذکرہ کرتا ہے کہ میاں بڑی تکلیف ہے اس سے دو غرضیں ہوا کرتی ہیں یا تو یہ کہ شاید کوئی دوا مل جائے یا کسی طبیب کا پتہ معلوم ہو جائے یا اس لئے کہ لوگ مجھ کو بیمار سمجھ کر میرے پاس نہ آئیں اسی طرح حضرات اہل اللہ اپنے عیوب باطنی ظاہر کرتے ہیں۔

دوسروں کی عیب جوئی

اور ہم لوگوں کی یہ حالت ہے کہ دوسروں کے عیوب بیان کرتے ہیں کہ فلاں رشوت لیتا ہے فلاں سود کھاتا ہے فلاں یہ کام کرتا ہے پھر اس میں دو طرز ہیں بعض تو کھلّم کھلاّ معصیت (۱) میں مبتلا ہوتے ہیں اور بعض جو متقی کہلاتے ہیں کنایۃً کہتے ہیں گویا اللہ میاں کو پھُسلاتے ہیں جس کے بارے میں مولانا رحمۃ اللہ علیہ خوب فرماتے ہیں ؎

خلق را گیرم کہ بفریبی تمام در غلط اندازی تا ہر خاص و عام

''ہم نے مانا کہ تم نے مخلوق کو پورے فریب سے مٹھی میں لے لیا ہے غلط اندازی میں خاص و عام تک کو تم نے مبتلا کر رکھا ہے''

کارہا با خلق آری جُملہ راست با خدا تزویر و حیلہ کے رواست

''مخلوق کے ساتھ تمہارے سب کام درست ہیں تو خدا تعالیٰ کے ساتھ حیلہ وفریب کب روا(۲) ہے''

کارہا او راست باید داشتن رایتِ اخلاص و صدق افراشتن

''اللہ تعالیٰ کے ساتھ کام اور معاملہ درست رکھنا چاہیئے پوری سچائی اور اخلاص انکے ساتھ رکھنا چاہیئے''

---

(۱) سرعام گناہ مین مبتلا ہوتے ہیں (۲) جائز۔

پھر کیا کرتے ہیں دھوکے کے لئے غیبت کے آخر میں فرماتے ہیں کہ اے اللہ! ہمارے حال پر رحم فرما گویا بڑے شفیق ہیں کہ یہ قصہ ہمدردی کے لئے بیان کیا ہے ان بزرگ نے اس معصیت کو طاعت کی فہرست میں داخل کیا ہے ایسی مثال ہے کہ ایک شخص نے پاخانہ پھرا اور اس پر چاندی کا ورق لپیٹ دیا تا کہ لوگوں کو دھوکا ہو کیا ٹھکانا ہے شرورِ نفس (۱) کا اسی واسطے حدیث میں ہے ((وَنَعُوذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا)) ''یعنی اپنے نفس کی شرارتوں سے ہم اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتے ہیں'' بہر حال کم وبیش ہم سب اس میں مبتلا ہیں کہ دوسروں کے عیوب چھانٹتے ہیں اور اپنے عیوب سے بے فکر ہیں۔

ہر یکے ناصح برائے دیگراں　　ناصح خود یافتم کم در جہاں

''یعنی ہر شخص دوسروں ہی کے لئے ناصح بنا ہوا ہے اپنے آپ کو نصیحت کرنے والے کا وجود دُنیا میں بہت ہی کم ہے''

یہ وہ خصلت ہے کہ چھوٹے سے لے کر بڑے تک اور دُنیا دار سے لے کر دیندار تک قریب قریب سب ہی اس میں مبتلا ہیں اس سے بڑھ کر کیا مضرت (۲) ہوگی کہ آدمی اپنے مرض کو بھول جائے اور دوسروں کے امراض گا تا پھرے یا یہ کہ اپنے اوپر فوجداری کا مقدمہ قائم ہے اور دوسروں کے معمولی مقدمات کی فکر کرتا ہے اور یہ اسی شخص کا کام ہے جو اپنے کام میں مشغول نہ ہو۔

اپنے کام میں لگو

بزرگانِ دین نے اس کا یہاں تک معالجہ کیا ہے کہ ایک بزرگ نے اپنے پیر کو کسی دوسرے مقام سے لکھا کہ یہاں کُفّار کا غلبہ ہے دُعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ

(۱) نفس کی برائیوں (۲) کیا نقصان ہوگا۔

مسلمانوں کو کفار سے بچائے پیر نے جواب میں لکھا ارے بیہودے ہم نے تجھ کو مسلمانوں اور کفار کے فیصلہ کے لئے بھیجا ہے یا کام کے لئے اپنے کام میں مشغول رہو خبردار جو آئندہ ایسے لغویات میں مشغول ہوئے۔

گدائے گوشہ نشینی تو حافظا مخروش　　رموزِ مملکتِ خویش خسرواں دانند

''اے حافظ! تم گدائے گوشہ نشین رہو تم کو شوروغل زیبا نہیں اپنی سلطنت کے رموز واسرار بادشاہ خوب جانتے ہیں'' یعنی تم اپنے کام میں لگے رہو دوسروں کی فکر میں مت پڑو۔

حضرت احمد جام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

احمد تو عاشقی بہ مشیخت تراچہ کار　　دیوانہ باش سلسلہ شُد شُد نشد نشد

''احمد تم اللہ تعالیٰ کے عاشق ہو مشیخت سے تم کو کیا غرض اس کی محبت میں دیوانے اور متوالے ہو جاؤ سلسلہ ہو ہو نہ ہو نہ ہو''

وہ حضرات تو سلسلے کی بھی فکر نہیں فرماتے ہیں یہاں یہ شبہ نہ کیا جائے کہ سلسلے کی فکر تو دین ہے' کیا اُس کو بھی چھوڑ دینا چاہیئے؟

غلو ہر کام میں ناپسندیدہ ہے

بات یہ ہے کہ غلو ہر امر میں مذموم (۱) ہے دیکھئے کھانا کھانا موجبِ حیات (۲) ہے لیکن جب حد سے بڑھے گا تو مضر ہوگا اور ہیضہ کا مرض جو کہ بھوکوں کے نزدیک مبارک مرض ہے ہو جائے گا۔

ایک طالب کا قصہ ہے کہ دور سے دیکھا کہ جنازہ آرہا ہے پوچھا کہ اس

(۱) حد سے متجاوز ہونا ہر کام میں بُرا ہے (۲) زندگی بڑھانے کا ذریعہ ہے۔

کو کیا مرض تھا کسی نے کہا کہ ہیضہ ہو گیا ہے پوچھا کہ ہیضہ کیا ہوتا ہے کہا کہ زیادہ کھانے سے ہو جاتا ہے کہنے لگے کہ یہ مبارک مرض ہم کو نہ ہوا' تو دیکھئے کھانا کیسا اچھا امر ہے لیکن حد سے بڑھنے سے مذموم ہو جاتا ہے چار روٹی کی جگہ کسی دن سات روٹی کھا کر دیکھو اور لیجئے ظہر کی چار رکعت ہیں بجائے چار کے اگر پانچ رکعت پڑھے تو غیر مقبول ہے۔

علاج بالضد

پس جس وقت یہ خطاب کیا گیا ہے" دیوانہ باش" الخ اُس وقت مخاطب کے اندر دوسروں کی فکرِ اصلاح کا اگرچہ وہ محمود ہو غلو دیکھا ہوگا اور یہ قاعدہ ہے کہ حرارت جب غالب ہوتی ہے تو اس کا علاج برودت (۱) سے کیا جاتا ہے برودت کا غلبہ ہو تو حرارت سے اس کا دفعیہ (۲) کرتے ہیں اسی طرح فکر کا علاج بے فکر کرنے سے ہوتا ہے پس مقصود اصلی یہی ہے کہ میاں دوسروں کی اتنی فکر بھی نہیں چاہئیے اپنے کام میں لگو اس لئے فرمادیا" دیوانہ باش" الخ یعنی اپنے مطلوب حقیقی کی یاد میں دیوانہ رہو دوسروں کی فکر چھوڑو اسی طرح بعض اوقات مبصرین (۳) کو معلوم ہوتا ہے دوسروں کی فکر کا اصل منشاء جاہ وغیرہ ہے اُس وقت بھی فکرِ غیر سے منع فرماتے ہیں۔

بڑا بننے کی فکر چھوڑو

چنانچہ ایک بزرگ تھے اُن کا مُرید بہت مجاہدہ ریاضت کرتا تھا مگر اثر کچھ نہ تھا وہ بزرگ بھی بہت پریشان تھے کہ کیا بات ہے اثر کچھ نہیں۔ ایک روز

(۱) گرمی کا علاج ٹھنڈک سے کیا جاتا ہے (۲) اگر ٹھنڈ کا اثر ہو تو گرم دوا سے علاج کیا جاتا ہے
(۳) صاحبِ بصیرت بزرگوں کو معلوم ہو جاتا ہے کہ دوسروں کی فکر کی اصل وجہ بڑا بننا ہے۔

اس سے پوچھا کہ میاں یہ تو بتلاؤ کہ تمہاری نیت اس سے کیا ہے کہا کہ حضرت نیت یہ ہے کہ اپنی اصلاح ہو جائے تو دوسروں کو ہدایت کروں فرمایا توبہ کرو توبہ کرو یہ شرک فی الطریقت ہے ابھی سے بڑا بننے کی فکر ہے۔ یہاں تو بجز اس کے کچھ نہیں کہ مٹ جائے گم ہو جائے ۔

افروختن و سوختن وجامہ دَرِیدن پروانہ زمن شمع زمن گل زمن آموخت

''یعنی افروختہ ہونا پروانہ نے' جلنا شمع نے' جامہ دری کرنا گل نے مجھ سے سیکھا ہے''

تو درد گم شو وصال اینست وبس گم شدن گم کن کمال اینست وبس

''وصال بس یہی ہے کہ محبوب حقیقی کی محبت میں مٹ جاؤ' گم ہو جاؤ' بڑا کمال یہی ہے کہ اس گم ہونے کو بھی گم کردو'' یعنی فنا الفناء حاصل کرو۔

پھر خدا جس کو چاہے بڑا بنا دے خود کون اس کا قصد کرے اور خود کرنے سے ہوتا بھی نہیں ۔

ایں سعادت بزورِ بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

''یعنی یہ سعات قوت بازو سے نہیں حاصل ہو سکتی جب تک خدائے تعالیٰ نہ عطا کریں''

بڑائی حاصل ہونا غیر اختیاری ہے

سب سے بڑھ کر فخر عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں اگر بڑا بننا کوشش سے ہوتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم بنتے خود آپ کو اس کی نسبت یہ ارشاد ہے: ﴿وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا

نَّھۡدِیۡ بِہٖ مَنۡ نَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِنَا ﴾(۱)''یعنی اے محمد ﷺ ہم نے آپ کی طرف وحی بھیجی آپ نہ جانتے تھے کتاب کیا ہے اور ایمان کیا ہے لیکن ہم نے اس کو ایسا نور بنادیا کہ اُس کے ذریعہ ہم جس کو چاہتے ہیں اپنے بندوں میں سے ہدایت کرتے ہیں'' جب انبیاء علیہم السلام کے اختیار میں نہیں تو اوروں کی تو کیا ہستی ہے مگر اب پہلے ہی سے پیر بننے کی فکر ہوجاتی ہے ۔

اے بے خبر بکوش کہ صاحب خبر شوی   تاراہ بیں نباشی کے راہ برشوی

''یعنی اے بے خبر کوشش کرتا رہ کہ تو صاحب خبر ہوجائے جب تک راہ صحیح دیکھنے والا نہ بنے گا دوسروں کا رہبر کب ہوسکتا ہے'' یعنی عارف بننے کی کوشش کرو جب تم خود عارف نہ ہوگے دوسروں کو کب عارف بناسکتے ہو۔

در مکتب حقائق پیش ادیب عشق   ہاں اے پسر بکوش کہ روزے پدر شوی

''خبردار! اے لڑکے حقائق و معارف کے مدرسہ میں ادیب عشق کے پاس کوشش ومحنت کر ایک روز پدر ہوجائیگا'' یعنی کسی مرشد کامل کے پاس راہ سلوک طے کر پھر کہیں جاکر ایک روز تم بھی شیخ طریقت بن جاؤ گے۔

دیکھو ہر شخص پہلے بیٹا بنتا ہے مگر اُس کو یہ خبر نہیں ہوتی کہ باپ بھی بنوں گا اول تو یہ بھی خبر نہیں ہوتی کہ بیٹا کس کو کہتے ہیں خوب سمجھ لو پس جیسا بیٹا بننے کے بعد باپ بننا اختیار میں نہیں اسی طرح یہ ضرور نہیں کہ ہر شخص پیر ہی بن جائے چنانچہ بہت سے انبیاء ہوئے ہیں کہ ان کی امت میں معدودے(۲) چند ایمان لائے ہیں اور بعض ایسے ہوئے ہیں کہ کل ایک ہی شخص اُن پر ایمان لانے سے مشرف ہوا ہے اور بعض کی امت میں ایک بھی مؤمن نہیں ہوا پس مدارِ کار اس پر نہیں کہ ہر شخص سے

(۱) سورۂ شوریٰ: ۵۲ (۲) چند افراد جن کو انگلیوں پر گنا جاسکتا ہے۔

ارشاد و ہدایت ہو ہی بلکہ خود اپنی کامیابی پر بھی نظر نہ کرے اس طریق میں (۱) اصل شئے طلب ہے اور طالب کی یہ شان ہونا چاہئیے ؎

حاصل آید یا نہ آید آرزوئے میکنم   یا بم اورا یا نیا بم جستجوئے میکنم

''یعنی اس کو پاؤں یا نہ پاؤں اس کی جستجو کرتا ہوں وہ ملے یا نہ ملے اس کے ملنے کی آرزو کرتا ہوں''

ایک کسی مُردار کا طالب کبھی بس نہیں کرتا اُسی دُھن میں رہتا ہے کہ شاید کبھی مل جائے یا کبھی اس کی نگاہ ہی پڑ جائے تعجب ہے کہ خدا کا طالب ہو اور قصد کامیابی سے تجاوز کر کے اُس کو بڑا بننے کی فکر ہو۔

مقصود طلب ہے

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ مقصود طلب ہے وصول مطلوب نہیں اس لئے کہ وصول تو مقدور نہیں اور طلب مقدور ہے (۲) بالکل سچی بات ہے اور اگر وصول ہی مقصود ہو تو اس کا طریقہ بھی یہی ہے کہ طلب کو اپنا شغل بنائے اور طلب کے وقت ثمرے کی طرف التفات نہ کرے ورنہ ہر گز سعی نہ کر سکے گا مثلاً حساب کا نوکر عین حساب کتاب کے وقت اگر اپنے مقصود یعنی تنخواہ کا مراقبہ کرے کہ تنخواہ ملے گی تو (۳) کی فلاں شئے خریدوں گا اور ایک روپیہ فلاں کو دوں گا تو اس سے وہ کام ہر گز نہ ہو سکے گا اور تنخواہ کا ملنا موقوف ہے اس پر کہ پورے مہینہ کا کام کرے اس لئے بالکل معطل ہو جائے گا (۴) اور اگر اپنے کام میں لگا رہے اور مقصود کی طرف ملتفت (۵) نہ ہو تو کام کرتے کرتے مقصود اس پر مرتب

(۱) راہ سلوک میں اصل چیز طلب ہدایت ہے (۲) مقصود حاصل ہونا انسان کے قبضہ قدرت میں نہیں البتہ اس کی طلب میں لگنا یہ قدرت میں ہے (۳) یہ ایک علامت ہے جس کا مطلب بہشتی زیور میں دس روپے بتایا گیا ہے (بہشتی زیور حصہ دہم صفحہ: ۳۲) (۴) بیکار ہو جائے گا (۵) متوجہ نہ ہو۔

ہوجائیگا عالی ہمتی یہ ہے کہ طلب کو من حیث ہو ہو مقصود (۱) سمجھے اسی واسطے بزرگانِ دین مریدین سے کہتے ہیں کہ کام کیے جاؤ پس ثمرات کی طرف ملتفت رہنا اور اس سے بڑھ کر بڑے بننے کی فکر ابتدا ہی سے سدِّ راہ ہے (۲) اور یہاں ہی سے یہ بات بھی سمجھ میں آ گئی ہوگی کہ دوسروں کے دین کی فکر جب بعض وقت مانع ہوجاتی ہے تو دوسروں کی دنیا یا عیوب کی فکر تو بطریقِ اولیٰ سنگِ راہ (۳) ہوگی۔

فکر خود کن

یہ ہے وہ خصلت جس کا ذکر اس آیت میں ہے مطلب یہ ہے ''کہ اے ایمان والو! تم اپنی فکر کرو کہ جو شخص گمراہ ہوگا تم کو ضرر رساں نہ ہوگا (۴) جبکہ تم خود راہ یاب ہوگے' یعنی پھر دوسرے کے پیچھے زیادہ کیوں پڑتے ہو یہ آیت گو بالفاظہا تمام مذکورہ صورتوں کو شامل (۵) نہیں بلکہ خاص صورتیں اس میں مراد ہیں لیکن باشتراک علّت (۶) یا مستقل دلیل سے تمام صورتوں سے تعرض کے لئے کافی ہے۔

دوسروں کی فکر کی مختلف صورتیں

اس لئے ان صورتوں کو بھی سمجھ لو۔ میں مختصراً بیان کرتا ہوں کہ کبھی تو فکر غیر میں پڑنا اس طرح ہوتا ہے کہ دوسروں کے عیوب ظاہر کیے جائیں پس یہ غیبت ہے۔

غیبت کا نقصان

اور اس کا مذموم (۷) ہونا ظاہر ہے اور اس کی مضرت دنیا و آخرت (۸)

---

(۱) طلب ہی کو اپنا مقصود سمجھے (۲) اس راہ کی سب سے بڑی رکاوٹ ہے (۳) راستہ کا پتھر (یعنی راہِ سلوک میں یہ سوچ سالک کے لئے) (۴) اگر تم سیدھے راستہ پر ہو تو دوسرے کا گمراہ ہونا تمہارے لئے نقصان کا باعث نہ ہوگا (۵) یہ آیات اپنے الفاظ کے اعتبار سے فکر کی تمام صورتوں کے احکام پر مشتمل ہے (۶) علت مشترک ہونے کی وجہ سے حکم مشترک ہوگا (۷) بُرا ہونا (۸) دنیا و آخرت میں اس کا نقصان۔

دونوں میں ہے۔

دنیا کی مضرت تو یہ ہے کہ جب کسی کا عیب کوئی بیان کرتا ہے تو اکثر اس کو خبر ہو ہی جاتی ہے اور اس سے باہمی تشویش و نااتفاقی (۱) ہوتی ہے آپس میں فساد ہو جاتا ہے اور اگر دل میں مثلاً عداوت (۲) ہو مگر غیبت نہ کی جائے اور زبان سے ظاہر نہ کیا جائے تو کچھ بھی فساد پیش نہیں آتا اور دین کی مضرت (۳) یہ ہے کہ قیامت کے دن غیبت کرنے والے کی نیکیاں اُس کو مل جائیں گی جس کی غیبت کی تھی۔

ایک بزرگ تھے ایک شخص ان کو بُرا کہتا تھا وہ اس کو روپے پیسے بھیجتے تھے اس نے جب دیکھا کہ یہ تو میرے ساتھ احسان کرتے ہیں تو بُرا کہنا چھوڑ دیا انہوں نے دینا بھی چھوڑ دیا اس نے پوچھا کہ حضرت یہ کیا بات ہے؟ فرمایا کہ تم نے ہم کو دینا چھوڑ دیا ہم نے تم کو دینا چھوڑ دیا۔

حضرت امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے سنا کہ کوئی ہماری غیبت کرتا ہے آپ نے اس کو ایک طبق تمر کا (۴) بھیجا غرض یہ ہے کہ غیبت مضرتِ دینی و دنیوی سے خالی نہیں اور یہ ایسی بلا ہے کہ لوگوں میں بہت پھیلی ہوئی ہے اور وجہ اس کی صرف یہ ہے کہ اپنے عیوب پر نظر نہیں ہے حضرت مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے کہا کہ فلاں شخص ذکر ریائی کرتا ہے فرمایا کرتا تو ہے تم تو یہ بھی نہیں کرتے ؎

سودا قمار عشق میں شیریں سے کوہکن — بازی اگرچہ پا نہ سکا سر تو کھو سکا
کس منہ سے اپنے آپ کو کہتا ہے عشق باز — اے روسیاہ تجھ سے تو یہ بھی نہ ہو سکا

یعنی اُس نے کچھ تو کام کیا کرنے والے کو نہ کرنے والا کیا چڑا سکتا ہے البتہ اگر وہ اپنے عیوب ہی سے قطع نظر کرلے گا وہ دوسرے کو کہہ سکے گا۔

(۱) باہمی رنجش اور اختلاف ہوتا ہے (۲) دشمنی (۳) دین کا نقصان (۴) کھجور کا ایک تھال بھر کر بھیجا۔

غیبت کا گناہ

اور غیبت نہایت سخت گناہ ہے حتیٰ کہ حدیث میں آیا ہے ((اَلْغِیْبَةُ اَشَدُّ مِنَ الزِّنَا)) یعنی غیبت زنا سے سخت تر ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ غیبت تو حق العبد[1] ہے جب وہ معاف کرے گا تب معاف ہوگا اور زنا حق اللہ ہے توبہ اور ندامت سے معاف ہوجائے گا اور آخرت میں جب غیبت کرنے والے کی نیکیاں مُغتاب[2] کو ملنے لگیں گی تو وہ کیوں معاف کرے گا اس لئے کہ وہ وقت شدّۃِ احتیاج کا ہے اور اللہ تعالیٰ تو غنی ہیں اپنے حق کو معاف فرمادیں گے اور عبد محتاج ہے۔

غیبت اور زنا میں فرق

اور ایک فرق اور ہے جس کو ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ[3] نے دو کلموں میں فرمایا ہے فرمایا کہ غیبت گناہ جاہی ہے اور زنا گناہ باہی ہے شرح اس کی یہ ہے کہ آدمی جب زنا سے فارغ ہوتا ہے تو خود اپنی نظر میں بھی اور غیروں کی نظر میں بھی بہت ذلیل وخوار ہوتا ہے غرض اس کو بعد گناہ کے ذلت و ندامت ہوتی ہے اور غیبت کے بعد ندامت نہیں ہوتی بلکہ فخر کرتا ہے اور اظہار واعلان کرتا ہے اور بزرگوں نے فرمایا ہے کہ جس معصیت کے بعد ندامت اور عجز ہو وہ اس طاعت سے بھی بہتر ہے جس کے بعد عجب اور پندار ہو[4] چہ جائیکہ گناہ بھی ہو اور موجب عجب بھی ہو اور عجب اس میں لازم ہے کیونکہ غیبت آدمی جب ہی کرتا ہے جبکہ اپنے کو پاک سمجھے پس یہ عیب بڑا سخت ہے۔

---

(۱) بندے کا حق ہے (۲) جس کی غیبت کی تھی (۳) حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ (۴) خود پسندی اور بڑائی پیدا ہو۔

غیبت سے بچنے کا طریقہ

اس لئے اس کی اصلاح مختصر طریق سے بتاتا ہوں وہ یہ ہے کہ ایک وقت معین (۱) کرکے اس میں اپنے عیوب سوچا کرے جتنی شرارتیں اور گناہ کیے ہیں سب کو پیش نظر کرے اور جو کوئی عیب یاد نہ آوے تو یہ خود ایک عیب ہے اسی کو سوچا کرے اور یہ میں نے اس لئے کہا کہ بہت سے غبی (۲) ایسے بھی ہیں کہ وہ اپنے کو سب عیوب سے خالی اور پاک سمجھتے ہیں چنانچہ جب کوئی مصیبت آتی ہے تو بعض لوگ کہا کرتے ہیں کہ خدا جانے کس گناہ میں پکڑے گئے ہم نے تو کوئی گناہ بھی نہیں کیا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یہ گناہ کی حقیقت ہی نہیں جانتے۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کی حالت

بزرگانِ دین کی تو یہ کیفیت تھی کہ طاعت کے کام کو بھی طاعت کی فہرست میں درج نہ کرتے تھے حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ اور ایک دوسرے محدّث رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ ایک پوری رات حدیث کے مذاکرے میں ختم کردی جب صبح ہوئی تو ان محدّث صاحب نے فرمایا آج کی رات بھی کیسی مبارک رات تھی کیسے اچھے کام میں گذری حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میاں اگر برابر سرابر چھوٹ جائیں تو غنیمت ہے اس لئے کہ میری تمام ترسعی اس میں تھی کہ کوئی ایسی حدیث سناؤں جو آپ نے نہ سنی ہو اور آپ کی کوشش یہ تھی کہ ایسی حدیث بیان کریں کہ جو مجھ کو معلوم نہ ہو ہر شخص در پردہ اپنے علوم کا دعویٰ کررہا تھا' اللہ اکبر ایک آج کل کے حضرات ہیں کہ اُن کو اپنا کوئی گناہ بھی یاد نہیں آتا اس لئے اگر کسی کو عیب یاد نہ آئے

---

(۱) ایک وقت مقرر کرکے (۲) بے وقوف۔

تو اسی پر رو دے کہ مجھ کو کوئی عیب یاد نہیں آتا یہ سب سے بڑا عیب ہے کہ آدمی اپنے کو بے عیب سمجھے: ﴿فَلَا تُزَكُّوٓا اَنْفُسَكُمْ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى﴾(۱)

قوتِ فکریہ کی خاصیت

بہرحال جو عیب ہو اس کو سوچے نصف گھنٹہ ہمیشہ یہی شغل کرے قوتِ فکریہ میں اللہ تعالیٰ نے عجیب خاصیت رکھی ہے تمام ترقی اس قوت فکریہ ہی کی بدولت ہوتی ہے اور حق تعالیٰ نے جگہ جگہ قرآن شریف میں اس کا حکم فرمایا ہے آپ خود تجربہ کر لیجئے لیکن اوّل اوّل تو تکلف ہوگا اور رفتہ رفتہ اور وقتوں میں وہ عیوب یاد آنے لگیں گے جب ترقی اور ہوگی تو اپنے عیوب ہر وقت پیش نظر رہیں گے پھر کسی کی غیبت ہرگز نہ ہوگی جیسے کسی شخص کے سانپ بچھو لپٹ رہے ہوں اس کو جب اس کا علم ہوگا تو اوروں پر مکھی بیٹھی ہوئی اس کو نظر آئے گی یا اس پر طعن نہ کرے گا حتی کہ اگر واقع میں وہ شخص بُرا ہو اور اُس کی مذمت کی کوئی دلیل شرعی ہو بھی ایسے میں وہ اس کی بھی غیبت نہ کریگا۔

رابعہ بصریہ رحمۃ اللہ علیہا کی احتیاط

جیسا کہ حضرت رابعہ بصریہ رحمۃ اللہ علیہا کی حکایت ہے اُن کی خدمت میں چند آدمی دُنیا کی مذمت کرتے تھے فرمایا کہ اُٹھ جاؤ کہ تم کو دُنیا کی محبت ہے اگر کسی کو شبہ ہو کہ حدیثوں میں تو مذمت دنیا کی آئی ہے جواب یہ کہ وہاں ضرورت ہے اور اس مجلس میں سب تارکانِ دُنیا تھے اس لئے ضرورت نہ تھی پس یہ مذمت ناشی تھی نفس سے کہ در پردہ دعویٰ تھا اپنے کمال کا کہ ہم ایسی مرغوبِ عام کو

(۱) ''تم اپنے آپ کو مقدس مت سمجھو تقویٰ والے کو وہی خوب جانتے ہیں'' سورۂ نجم:۳۲۔

مبغوض (۱) سمجھتے ہیں اور کسی شئے کے مبغوض سمجھنے پر دعویٰ وفخر کرنا موقوف ہے اُس شئے کے باوقعت سمجھنے پر اور یہی معنی ہیں کہ تم کو اس سے محبت ہے کیونکہ وقعت ہوتی ہے کسی خوبی سے اور خوبی کا قائل ہونا مدح ہے اور مدح علامت محبت ہے پس ظاہر میں تو یہ حرکت صرف غیر مفید تھی مگر اس حیثیت سے مضر تھی تو دیکھئے دنیا کی مذمت غیبت نہیں بلکہ ایک درجے میں عبادت ہے لیکن چونکہ اس وقت اس کی ضرورت نہ تھی اسی لئے فضول ولایعنی (۲) ضرور ہے۔

عظیم علمی افادہ

اس موقع پر مجھے ایک مناسب مقام بات یاد آگئی اور وہ ایک علم ہے جو پرسوں القا ہوا ہے اس سے پہلے یہ امر سمجھ میں نہ آیا تھا وہ یہ ہے کہ میں یوں سمجھتا تھا کہ علم کی تین قسمیں ہیں نافع اور مضر اور غیر نافع وغیر مضر لیکن واقعات کے اندر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جو غیر مفید ہے وہ بھی حقیقت میں مضر ہی ہے میں پختگی کے ساتھ کہتا ہوں کہ جس شئے کے اندر کوئی فائدہ نہیں ہے وہ مضرت سے خالی نہیں ہے اور تقسیم مشہور اور اس تحقیق میں کچھ تعارض نہیں اس لئے کہ تین قسموں کی طرف تقسیم باعتبار ابتداء کے ہے یعنی ابتداء میں فی الواقع علم کی تین ہی قسمیں ہیں (۱) مفید (۲) غیر مفید (۳) مضر لیکن آثار کے اعتبار سے اور مآل کار (۳) میں وہ غیر مفید بھی مضر ہوجاتا ہے تو آثار کے اعتبار سے کل دو قسمیں ہیں مفید اور مضر اس لئے امر فضول بھی قابل ترک ہوا حاصل یہ کہ چونکہ دنیا کی مذمّت کی اس مقام میں ضرورت نہ تھی اس لئے ایک لغو بات ہوئی اس لیے حضرت رابعہ بصریہ رحمۃ اللہ علیہا کو ناپسند ہوا حضرات اہل بصیرت بلاضرورت سے بُروں کو بھی بُرا نہیں کہتے۔ حکایت ختم ہوئی۔

(۱) ایسی چیز جس کو سب محبوب رکھتے ہیں ہم اس کو ناپسند کرتے ہیں (۲) فضول وبیکار (۳) باعتبار انجام کے۔

شبہ کی وضاحت

اب اس حکایت میں جو شبہ اور اُس کا جواب تھا اس کی کسی قدر توضیح (۱) مناسب معلوم ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ اگر کوئی خشک مغز کہے کہ خود جناب رسول اللہ ﷺ نے دنیا کی مذمت کی ہے بات یہ ہے کہ نری (۲) اردو کی کتابیں دیکھنے سے عالم نہیں ہوتا جب تک کہ ان کو کسی عالم سے سبقاً سبقاً نہ پڑھے جیسے طب کی کتابیں اُردو میں ہونا کافی نہیں جب تک کسی حکیم کے یہاں مطب نہ کرے طب کی کتابیں دیکھنے سے جیسے کوئی حکیم نہیں بنتا اسی طرح دینیات دیکھنے سے دیندار نہیں بنتا جب تک کسی اُستاد سے نہ پڑھے پس یہ قصہ رابعہ بصریہ رحمۃ اللہ علیہا کا بھی ایسے ہی علم متلقی عن الشیوخ (۳) پر موقوف ہے اگر ایسا علم ہو تو اعتراض کچھ بھی نہیں ہے بات یہ ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے جو دنیا کی مذمت کی تو آپ کو ضرورت تھی تاکہ محبّینِ دُنیا کو سنائیں اس لئے کہ حضور ﷺ تو تمام جن و انس کی طرف مبعوث تھے اور ان میں محبّینِ دنیا بھی تھے اور حضرت رابعہ بصریہ رحمۃ اللہ علیہا کی خدمت میں اس وقت سب کے سب مقدس ہی تھے اس لئے انہوں نے فرمایا: (قُوْمُوْا عَنِّیْ فَاِنَّکُمْ تُحِبُّوْنَ الدُّنْیَا) اور (مَنْ اَحَبَّ شَیْئًا اَکْثَرَ ذِکْرَہٗ) ''یعنی میرے پاس سے اُٹھ جاؤ اس لئے کہ تم لوگ دنیا کو دوست رکھتے ہو اور جو شخص کسی شے کو دوست رکھتا ہے اس کا ذکر زیادہ کرتا ہے'' شرح اس اجمال کی موقوف ہے اس کی چند مثالیں سمجھنے پر دیکھو فخر اور تفاخر اس پر کیا کرتے ہیں کہ ہم کو ہزاروں روپے ملتے تھے ہم نے نہیں لیے اور اس پر کوئی فخر نہیں کرتا ہم نے گوہ نہیں لیا اِن دونوں میں فرق کیا ہے فرق یہی ہے کہ ہزار روپے کو باوقعت سمجھتے ہیں اس لئے اس کے ترک کو فخر جانتے ہیں

(۱) وضاحت (۲) صرف (۳) بزرگوں سے حاصل ہونے والے علم پر موقوف ہے۔

اور گوہ کی کوئی وقعت نہیں اس لیے اس کے چھوڑ دینے کو فخر نہیں سمجھتے، اور مثال لیجئے یہ کہا کرتے ہیں کہ ہم نے فلاں رئیس کو پیٹا اور یہ نہیں کہتے کہ ہم نے فلاں بھنگی کو مارا اس لئے کہ رئیس کو وقیع سمجھتے ہیں پس حضرت رابعہ بصریہ رحمۃ اللہ علیہا کے فرمانے کا حاصل یہ ہوا کہ اے بزرگو تم جو دنیا کی مذمت کرتے ہو معلوم ہوتا ہے کہ دُنیا کی تمہارے قلب میں وقعت ہے اس لئے مذمت کرتے ہو چیونٹی کی مذمت کیوں نہیں کرتے اس لئے کہ وہ بیچاری اس قابل نہیں کہ اس کی کوئی مذمت کرے تو حضرت رابعہ بصریہ رحمۃ اللہ علیہا نے ان کا مرض بیان کیا۔

یہ ہے جواب اس اشکال کا جو محض خدمتِ الفاظ سے میسر نہیں ہوتا اور نرے طوطی کی طرح پڑھ لینے سے کچھ نہیں ہوتا جب تک کسی کامل کی صحبت نہ ہو۔

حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مقام ومرتبہ

الحمد للہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت سے یہ فائدے ہوئے ہیں۔ مجھ سے ایک شخص نے دیوبند میں پوچھا تھا کہ میاں حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس کیا ہے جو تم لوگ باوجود علماء فضلاء ہونے کے اُن کے پاس جاتے ہو؟ میں نے کہا کہ ہمارے پاس تو الفاظ ہی الفاظ ہیں اور ان کے پاس معانی ہیں وہ ہمارے محتاج نہیں اس لئے ان کو مغز اور حقیقت حاصل ہے اور ہم اُن کے محتاج ہیں فہم انہی حضرات کا حصہ تھا اور یہی لوگ مصداق ((مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُّفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ))(۱) کے ہیں۔ ان حضرات کی تو یہ کیفیت تھی کہ اشیائے مذمومہ(۲) کی بھی

(۱) ''یعنی جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ بھلائی کرنا چاہتے ہیں دین کے اندر اس کو سمجھ عطا فرما دیتے ہیں''

(۲) بُری چیزوں۔

بلا ضرورت مذمت نہ کرتے تھے اور ہم لوگ دوسروں کے عیوب کی فکر میں ہیں کہ جو منہی عنہ اور حرام (۱) ہے۔

دوسروں کی بُرائی کرنے سے احتراز

ایک بزرگ سے کسی نے یزید کے بارے میں پوچھا تھا کہ یزید کیسا تھا فرمایا یزید شعر گوئی میں بڑا ماہر تھا دیکھئے اس شیخ نے یزید کی بھی ایک مدح کی اس لئے کہ اُن حضرات کو بجز اپنے عیوب کے دوسروں کے عیوب میں سے کچھ نظر نہ آتا تھا۔ ایک شخص نے مجھ سے بھی پوچھا تھا کہ یزید کو لعنت کرنا جائز ہے میں نے کہا ہاں اس شخص کو جائز ہے کہ جس کو یقین ہو کہ میں یزید سے اچھا ہو کر مروں گا تو حقیقت یہی ہے کہ جب تک خاتمہ ایمان پر نہ ہو کیا اطمینان ہو سکتا ہے ہم لوگوں کی تو یہ حالت ہے ؎

گہ رشک برد فرشتہ برپاکی ما   گہ خندہ زند دیو ز ناپاکی ما

"کبھی ہماری پاکی پر فرشتہ کو رشک آتا ہے اور کبھی ہماری ناپاکی پر شیطان بھی ہنستا ہے"

ایمان چو سلامت بہ لب گور بریم   احسنت بریں چستی و چالاکی ما

"قبر کے کنارہ پر جب ہم ایمان کو صحیح سلامت لے جائیں اسی وقت ہماری چستی و چالاکی پر تم کو آفریں کہنا چاہئیے"

تو ایسی حالت میں ہم کیا منہ لے کر کیا کسی کو کہیں۔ ممکن ہے کہ آج جس پر ہم طعن کریں کل کو ہماری حالت ایسی ہو جائے کہ وہی ہم پر طعن کرنے لگے۔

---

(۱) دوسرے کے عیب کی فکر کرنا ممنوع اور حرام ہے۔

حکایت

جیسا مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک حکایت لکھی ہے کہ ایک نحوی (۱) کشتی میں بیٹھا تھا اور اپنی نحودانی پر نازاں تھا ملاح سے پوچھا کہ میاں ملاح کچھ نحو جانتے ہو؟ کہا نہیں، نحوی صاحب نے کہا کہ میاں تم نے تو اپنی آدھی عمر ضائع کردی آگے چل کر کشتی ایک بھنور میں پھنس گئی ملاح نے کہا نحوی صاحب کچھ تیرنا بھی سیکھا ہے؟ کہا نہیں، ملاح نے کہا تو تم نے اپنی ساری عمر کھودی۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ اس کے بعد لکھتے ہیں کہ نحو کام نہیں آتی یہاں تو محو کام آتا ہے یعنی مٹ جانا نافع (۲) ہے غرض نرے دعویٰ کمالات سے اور دوسروں کی تنقیص سے کچھ نہیں ہوتا کہ انا کذا وفلاں کذا وفلاں کذا (۳) ایک صاحب تھے اسی مذاق کے مرثیے کی مجلس میں بیٹھتے تھے اور کہتے تھے میں نہ ہوا میں یزید کو قتل کردیتا، ایک گنوار بولا میں ہوں یزید مجھ کو قتل کر اپنا سا منہ لے کر رہ گئے حاصل یہ ہے کہ اگرچہ کوئی مسئلہ ہی ہو یا کوئی امر کسی وقت کے اعتبار سے محمود ہو جیسے یزید کی مذمت اس کو مشغلہ بنانا اور فضول بلاضرورت اس میں مشغول ہونا ناپسند ہے ہاں جب ضرورت ہو اور مسئلے کی تحقیق منظور ہو تو اُس میں کلام کرنا مضائقہ نہیں۔

موقع کے مناسب وعظ

میں جودھ پور گیا تھا وہاں وعظ ہوا وعظ سے پہلے ایک صاحب نے میرے کان میں کہا کہ یہاں بہت سے مفتری (۴) لوگ ہیں تم لوگوں پر دو تہمتیں

---

(۱) نحو ایک علم ہے جس سے صحیح عربی پڑھنے اور بولنے کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے اس علم کے ماہر کو نحوی کہتے ہیں (۲) مفید ہے (۳) میں ایسا ہوں اور ویسا ہوں اور دوسرا ایسا ہے اور ویسا ہے (۴) علمائے دیوبند پر تہمتیں لگانے والے لوگ ہیں۔

لگاتے ہیں ایک تو یہ کہ تم لوگ وہابی ہو اور جناب رسول اللہ ﷺ کے (نعوذ باللہ) فضائل کے منکر ہو اور دوسرے یہ کہ تم غیر مقلد ہو اس لئے مناسب یہ ہے کہ وعظ میں حضور ﷺ کے فضائل اور امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے فضائل بیان کئے جائیں تا کہ شبہات جاتے رہیں لیکن الحمد للہ میری سمجھ میں آ گیا کہ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ یہ لوگ ہم کو اچھا سمجھنے لگیں اس سے ان غریبوں کا کیا فائدہ ہوا؟ میں نے کہا کہ وعظ طب ہے طبیب دوا وہ بتلائے گا جو مرض کے مناسب ہو کہ اس میں مریض کی مصلحت ہے اگر کوئی طبیب اس بات میں بدنام ہو جائے کہ یہ کڑوی دوا لکھتے ہیں تو اگر وہ اس عار کے دھونے کے واسطے حلوا لکھ دے جس کی مریض کو ضرورت نہ ہو تو وہ طبیب نہیں ہے کیونکہ اس نے اپنی مصلحت کو مریض کی مصلحت پر ترجیح دی اس لئے میں اس وقت فضائل نبوی ﷺ اور فضائل امام رحمۃ اللہ علیہ کو بیان کرنے میں ان مخاطبین کی تو کوئی مصلحت نہیں دیکھتا اسی لئے اس کا بیان نہ کرونگا کہ اس میں صرف میری مصلحت ہے کہ میری بدنامی جاتی رہے بلکہ میں وہ امراض بیان کروں گا جو ان لوگوں کے اندر ہیں کہ اس میں ان لوگوں کی مصلحت تو ہے صاحبو! غیر ضروری موقع پر مذمت تو درکنار مدح بھی زیبا نہیں۔

بے موقع کام کی ممانعت

دیکھئے اگر کوئی نمازی بجائے تسبیح رکوع سجدے میں سورۂ فاتحہ پڑھے تو اس کو ناجائز کہا جائے گا حالانکہ سورۂ فاتحہ کا پڑھنا محمود ہے ہر شئے کا ایک موقع ہے جب وہ اُس موقع پر کی جاتی ہے تب ہی مناسب ہوتی ہے اور بے موقع نادرست و ناجائز ہو جاتی ہے ۔

که بے حکم شرع آب خوردن خطاست   دگر خوں بہ فتویٰ بریزی رواست

''یعنی شرع کے خلاف پانی پینے میں بھی گناہ ہے (مثلاً رمضان کے مہینہ میں کوئی شخص جس پر روزہ فرض تھا بلا عذر اس نے پانی پیا وہ گنہگار ہوگا) ہاں اگر فتویٰ کے موافق کسی کو قتل کردے تو جائز ہے''

ضلع اعظم گڑھ میں ایک شخص نے جماعت کے وقت بسم اللہ پڑھ کر نماز کی اقامت کہی میں نے پوچھا کہ تم نے بسم اللہ کیوں پڑھی کہنے لگا کہ بسم اللہ پڑھنا تو اچھا ہی ہے میں نے کہا کہ بیشک بسم اللہ پڑھنا اچھا ہے لیکن یہ اُس کا موقع نہیں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حکایت ہے کہ ان کی مجلس میں کسی شخص کو چھینک آئی اُس نے کہا السلام علیکم حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرمایا (عَلَيكَ وَعَلٰى اُمِّكَ السلام) ''تجھ پر اور تیری ماں پر سلام ہو'' اس کو ماں کا ذکر کرنا ناگوار ہوا اور برا مانا حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ میاں سلام کرنا بہت اچھی شئے ہے لیکن ہم کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر یہ تعلیم فرمایا ہے کہ ہم الحمد للہ کہا کریں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کی خوبی

سبحان اللہ یہ ہیں حقیقی فضائل جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بادیہ نشین عرب کو ایسا مہذب بنادیا کہ آج سارا یورپ اُس کو مانتا ہے کہ ہم کو عرب کی بدولت فہم آیا ہے اور کیوں نہ ہو ((عَلَّمَنِي رَبِّي فَاَحْسَنَ تَعْلِيمِي وَاَدَّبَنِي رَبِّي فَاَحْسَنَ تَادِيبِي))(۱) آپ کی شان ہے غرض جبکہ سلام بے موقع ناپسند ہے تو کسی کے ذمائم تو ظاہر ہے کہ کیوں نہ ناپسند اور حرام ہوں گے غرض ایک صورت تو کسی کے عیب بیان کرنے کی یہ تھی اس میں تو منشاء نفس ہے۔

(۱) ''یعنی تعلیم دی مجھ کو میرے رب نے پس اچھی ہوئی میری تعلیم اور ادب سکھایا مجھ کو میرے رب نے سو اچھا ہوگیا میرا ادب سکھانا''۔

دوسروں کی فکر کی دوسری شکل

دوسری صورت کسی کے درپے ہونے کی یہ ہے کہ اُس میں منشاء نفس نہیں ہے یعنی اس کی عیب گوئی یا عیب جوئی نہیں کی بلکہ اس کا منشاء دین ہے یعنی اس کے درپے اصلاح اس لئے ہوئے کہ اس کی بد دینی سے خود ہم کو یا دوسروں کو ضرر نہ پہنچے اور اس میں اس قدر منہمک ہوئے کہ بعض اپنی ضروریات دینیہ ظاہرہ یا باطنہ ضائع ہونے لگیں یہ بظاہر نظر میں جائز معلوم ہوتا ہے لیکن غور کر کے دیکھا جاتا ہے تو یہ سمجھ میں آتا ہے کہ اس قصد سے کسی کے زیادہ درپے (۱) ہونا امرِ زائد ہے۔

بُری صحبت کا انجام

کیونکہ کوئی شخص کسی کے بگڑنے سے نہیں بگڑتا جو کوئی بے راہ ہوتا ہے وہ اپنے ہی فعل سے ہوتا ہے تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ جب کوئی بگڑتا ہے تو بے راہ لوگوں کے ساتھ اختلاط اور دوستی کرنے سے گمراہ ہوتا ہے تو یہ دوستی کرنا خود اس کا فعل ہے اور دلیل اس کی یہ ہے کہ قرآن شریف میں حق تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۝ اِنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝ اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يَتَوَلَّوْنَهٗ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ﴾ (۲)

”یعنی جب تم قرآن پڑھو تو اللہ تعالیٰ سے شیطان مردود کی پناہ مانگو (یعنی اعوذ پڑھو) بیشک اس شیطان کا قابو ان لوگوں پر نہیں ہے جو ایمان لائے (یعنی عقائد اُن کے صحیح ہیں) اور اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں (یعنی عمل بھی ان کے صحیح ہیں) اس کا غلبہ تو ان لوگوں پر ہے جو اس سے دوستی کرتے ہیں اور ان لوگوں پر جو اللہ کے ساتھ شریک کرتے ہیں“

(۱) کسی کے پیچھے پڑنا۔ (۲) سورۂ نحل: ۹۸ تا ۱۰۰۔

حق تعالیٰ نے ان آیتوں میں یہ بات بتلادی کہ شیطان کا قابو ان دو شخصوں پر چلتا ہے ایک تو مشرکین پر دوسرے اس سے دوستی کرنے والوں پر۔ واقعات میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص خراب ہوتا ہے وہ دوستی کرنے سے خراب ہوتا ہے اس سے کوئی نہیں بگڑا کہ دوسروں کی اصلاح نہیں ہوئی میں یہ بقسم کہتا ہوں کہ اگر سارا جہاں شیاطین سے بھر جائے اور تمام دُنیا میں ایک مؤمن ہو اور وہ اُن سے دوستی نہ کرے تو ہرگز ہرگز نہیں بگڑ سکتا یہ ساری خرابی اس کی ہے کہ اہل باطل سے دوستی کرتے ہیں اختلاط رکھتے ہیں بہت سے نام کے متقی بھی اس مرض میں مبتلا ہیں سخت غیرت کی بات ہے کہ جو لوگ خدا سے بغاوت کریں اُن سے دل مل جائے ؂

ہزار خویش کہ بیگانہ از خدا باشد فدائے یک تنِ بیگانہ کا شنا باشد

''یعنی ہزار اپنے کہ وہ خدائے تعالیٰ سے بیگانہ ہوں اس ایک بیگانہ پر قربان ہیں جو خدائے تعالیٰ کا آشنا و عارف ہو''

ایمان کا مقتضاء

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ﴾(۱)

''یعنی نہیں پائیں گے آپ اے محمد (ﷺ) ایسی قوم کو جو اللہ اور یوم آخر میں ایمان رکھتے ہوں کہ وہ دوستی کریں ان لوگوں سے جو اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کریں اگرچہ وہ ان کے باپ ہوں یا بیٹے ہوں یا بھائی ہوں یا گھرانے

(۱) سوۃ مجادلہ:۲۲۔

والے یہ لوگ (یعنی مومنین) وہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے قلوب میں ایمان جمادیا ہے اور ان کو اپنے پاس سے روحانی تائید کی ہے“

دیکھئے اس آیت سے معلوم ہوا کہ ایمان کا مقتضاء یہ ہے کہ اللہ و رسول ﷺ کے مخالفین کے ساتھ دوستی نہ ہو۔

تصحیح عقائد اور نسبت مع اللہ کا فائدہ

اور نیز اسی آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دوستی سے بچنا دو چیزوں پر موقوف ہے اول تصحیح عقائد اور دوسری بات وہ ہے جس کو رُوح فرمایا ہے رُوح کہتے ہیں حیات کو اس سے مُراد نسبت مع اللہ ہے جس سے قلب کی حیات ہے ۔

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بہ عشق ثبت ست بر جریدہ عالمِ دوام ما

”یعنی جس کو عشقِ حقیقی سے روحانی زندگی حاصل ہوگئی وہ اگر مر بھی جائے تو واقع میں بوجہ اس کے کہ اس کو لذّت قریب کامل درجہ کی حاصل ہے اس لئے اس کو زندہ کہنا چاہیئے“۔

اور یہی وہ شئے ہے جس کو ﴿فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً﴾(۱) میں حیاتِ طیبہ فرمایا ہے پس حاصل یہ ہوا کہ جو لوگ تصحیح عقائد اور نسبت مع اللہ سے مشرف ہیں وہ اس دوستی سے بچ سکتے ہیں پس ثابت ہوگیا کہ جو کوئی گمراہ ہوتا ہے دوسرے کے گمراہ ہونے سے نہیں ہوتا بلکہ اپنے فعل سے ہوتا ہے اس لئے یہ نیت ہونا دوسروں کے درپے ہونے میں معتبر نہیں ہے۔

بُروں کی دوستی سے بچو

البتہ اس کی دوستی سے خود بھی بچے اور دوسروں کو بچانے کے واسطے بھی

(۱) ”ہم ان کو ضرور بالضرور پاکیزہ زندگی عطا کریں گے“ سورۂ نحل: ۹۷۔

اس کی بددینی ظاہر کردے باقی اس کوشش میں لگنا کہ وہ کسی طرح ٹھیک ہی ہوجائے ایک زائد بات ہے بعض اوقات وہ تو درست نہیں ہوتا اور یہ خود بگڑ جاتا ہے کیونکہ اُس کی اصلاح کے لئے زیادتِ اختلاط کی ضرورت ہوتی ہے اور ممکن ہے کہ وہ خود اس پر غالب آجائے اور اسی کو بگاڑ دے چنانچہ بہت جگہ ایسا ہوا ہے۔

دوسروں کی فکر کی تیسری صورت

تیسری صورت یہ ہے کہ اپنے یا دوسروں کے بچانے کی غرض سے درپے نہیں ہوا بلکہ خود اسی کی اصلاح بالذات مقصود ہے جس کا باعث محض شفقت ہے اس میں بھی مبالغہ کرنا اور زیادہ پیچھے پڑنا نہ چاہئے چنانچہ جناب فخر عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے تو زیادہ کوئی مصلح نہیں مگر آپ کو بھی حکم ہے کہ آپ زیادہ پیچھے نہ پڑیں قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: ﴿لَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ﴾(۱) وَقَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: ﴿مَنِ اهْتَدٰى فَإِنَّمَا يَهْتَدِي لِنَفْسِهٖ﴾(۲) وَقَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: ﴿لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ أَلَّا يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ﴾(۳) اور زیادہ پیچھے پڑنے سے بعض مرتبہ خود اس شخص کے دین کا ضرر ہوجاتا ہے وہ یہ ہے کہ وہ شخص مثلاً دشمن ہوگیا درپے ایذا(۴) ہوگیا جو کام دین کا اطمینان کے ساتھ ہورہا تھا اس میں خلل پڑنے لگا۔

(۱) ''ان کے بارے میں غم نہ کرو'' سورۂ نمل: ۷۰ (۲) ''جو شخص راہ پر آوے گا سو وہ اپنے ہی فائدہ کے لئے راہ پر آویگا'' سورۂ اسراء: ۱۵ (۳) ''شاید آپ ان کے ایمان نہ لانے پر غم کے مارے اپنی جان دیدینگے'' سورۂ شعراء: ۳ (۴) نقصان پہنچانے کے درپے ہوگیا۔

حاصل کلام

حاصل یہ ہے کہ ہر کام کی ایک حد ہے جب اس کے اندر ہوگا تو محمود ہے ورنہ لائق ترک(۱) ہے پس دوسروں کے درپے اصلاح ہونے کی تین صورتیں ہوئیں اور سب کے احکام و آثار مفصل بیان ہو چکے۔

اب اللہ تعالیٰ سے دُعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہم کو اپنی اصلاح کی توفیق عطا فرمائے اور فضول اور لغو اور معاصی سے محفوظ رکھے (۲)۔

آمین برحمتك یا ارحم الراحمین

---

(۱) حد کے اندر ہے تو پسندیدہ ورنہ چھوڑ دینے کے قابل ہے (۲) فضولیات میں مشغول اور بیکار کاموں اور گناہوں کے کاموں سے اللہ ہم کو بچائے۔ آمین

خلیل احمد تھانوی

۱۸/ مئی ۲۰۰۹ء

صلی اللہ علیہ وسلم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام علیہ السلام علیہما السلام علیہم السلام رضی اللہ عنہ رضی اللہ عنہما رضی اللہ عنہا رحمۃ اللہ علیہ

رحمۃ اللہ علیہم رحمۃ اللہ علیہا رحمۃ اللہ علیہن حفظہم اللہ حفظہا اللہ حفظہ اللہ

علیہا السلام علیہ السلام علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام علیہما السلام حفظہا اللہ رضی اللہ عنہم رحمۃ اللہ علیہم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رضی اللہ عنہن رضی اللہ عنہ